

مولانا قاضی محمد زاہد الحسنی صاحب

دین میں تحریف

پہلی مرتبہ تحریفات کا ایک نمونہ

قرآن مجید کی تفسیر بیان کرتے ہوئے یا قرآنی احکام اور مطالب کا مطالعہ کرتے ہوئے ذہن میں اس بات کو حاضر رکھنا چاہئے کہ اصل بات تو وہی ہے جو قرآنی تعلیمات سے معلوم ہوتی ہے میرا اپنا ذاتی نظریہ کوئی نہیں، قرآن مجید نے فرمایا :

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (اسراء ۳۶) اور نہ یقین کر اس پر جس کا تجھے علم (دلیل) نہ ہو علم اور دلیل کے بغیر اللہ تعالیٰ کی بات کی تشریح اور تفسیر کئی گمراہیوں کا راستہ کھول دیتی ہے شیطان کا یہ بھی ایک داؤ ہے کہ وہ انسانوں کو اس بات پر آمادہ کر دیتا ہے کہ وہ بلا علم اور دلیل کے کسی بات یا حکم کو اللہ تعالیٰ کا حکم کہہ کر غلط بات کو صحیح کرنے کی جسارت کر ڈالیں۔ فرمایا :
وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (بقرہ ۱۷۹) اور یہ کہ تم اللہ پر وہ کچھ کہہ ڈالو جو تم نہیں جانتے اسی کو اصطلاح شریعت میں تفسیر بالرائے کہا جاتا ہے جس کے متعلق سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

مَنْ فُسِّرَ الْقُرْآنَ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَّبِعُوا
مَقْعِدَهُ مِنَ النَّارِ - جو قرآن کی تفسیر اپنی خواہش سے کرے اس کو جہنم کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

اور رائے کا مطلب یہی ہے کہ اس میزان کو چھوڑ کر بغیر علم و دلیل کے تفسیر کی جائے جیسا کہ دوسرے

ارشاد میں ہے :

من قال فی القرآن بغير علم فليتبوء مقعده من النار۔

ایسی تفسیر اور تشریح جو علوم و قوانین تفسیر یہ کہ بالائے طاق رکھ کر کی جائے اگر وہ درست بھی نہ لکھے تب بھی اجر و ثواب کا مستحق نہیں بلکہ عذاب اللہ وہ مجرم ہی سمجھا جائے گا۔ آپ نے فرمایا :

من تكلم في القرآن برأيه فاصابه فقده اخطا۔ (ابوداؤد۔ سنن۔ ترمذی)

تفسیر بالرائے کے متعلق مصر کے عظیم ادیب طہ حسین سائق وزیر تعلیم کا تبصرہ درج کیا جاتا ہے
”میں کہہ سکتا ہوں کہ مؤولین (تفسیر بالرائے کرنے والے) خواہ قدام میں سے

ہوں یا فلاسفہ میں سے، ان کی تاویلات دور از کار ہیں۔ انہوں نے عقل کو

راہ نمائی سوچنی اور دھوکہ کھا گئے۔ انہوں نے وہ باتیں کہیں جو ان کے منہ

سے نہیں نکلتی چاہتے بھیتیں۔ انہیں سزاوار یہ تھا کہ حد سے آگے قدم نہ بڑھاتے

جس جگہ ان کی قوت فہم ادراک اور شعور اور بلوغ ختم ہو گئی تھی وہیں ٹھٹھک

کر رہ جاتے۔ یہ ان کے لئے بہت بہتر ہوتا۔ ان کے لئے بھی اور ان لوگوں

کے لئے بھی جنہیں انہوں نے فتنے میں مبتلا کر دیا تھا۔ ان کی دور از کار تاویلات

نے عجیب عجیب گل کھلائے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں طیر ابابیل کے ذکر آیا ہے

وہ چڑیاں جنہوں نے مکے کی حملہ آور حبش فوج پر کنکر یاں پھینک کر اسے تباہ کر

دیا تھا۔ یہ عقل پرست طیر ابابیل سے دبا مراد لیتے ہیں اور کنکریوں سے مراد

غیر مرئی جراثیم، یہ تاویل انہوں نے اپنی طرف سے کی حالانکہ سب اچھی طرح جانتے

ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے سورۃ فیل کا یہ مطلب نہیں لیا

تھا، اور نہ اس پہنچ پر اسے سمجھا تھا اور وہ اس پہنچ پر سمجھ بھی نہیں سکتے تھے

یہ ان کے ذہن کب تھا۔ وہ میکروب (جراثیم) سے بالکل ناواقف تھے۔ اسی طرح

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں سبع سموات سے مراد کوکب و سیارہ ہیں یہ بھی

اٹکل پچھرات ہے یہ ایسی بات کہہ رہے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے

صحابہؓ نے کبھی نہیں فرمائی۔ (اسلام منزل منزل ص ۱۱۲)

جیسا کہ طلوع اسلام کا ایڈیٹر پر دینا اسی سورۃ کی تفسیر میں تحریف معنوی نہیں، بلکہ تحریف لفظی

تک کر گیا۔ سورۃ الفیل کا ترجمہ یوں کیا :

”جماعت قریش (تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھیوں والوں

(ابرہہ اور اسکی فوج) کے ساتھ کیا کیا تھا۔ ہتھارے پروردگار نے ان کی خفیہ تدابیر کو بے سود نہیں بنادیا تھا۔ اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ نہیں بھیج دئے تھے تم (تہاری قوم) ادھر سے ان پر پتھر اڑ کر رہے تھے، چنانچہ اس طرح تہارے پروردگار نے انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح بنا کر ڈال دیا تھا۔

اس ترجمہ کی تفسیر پر دین صاحب نے یہ کی :

واقعہ یہ تھا کہ یمن کے عیسائی حاکم ابرہہ (جو شاہ حبش کا گورنر تھا) سنہ ۵۲۵ء میں حضور کا سن ولادت ہے ارادہ کیا کہ مکہ کو فتح اور خانہ کعبہ کو منہدم کر دیا جائے تاکہ عربوں کی مرکزیت فنا اور قریش کی سیادت تباہ ہو جائے۔ اس کے لئے اس نے بجائے اس کے کہ برملا اعلان جنگ کرنا اپنے ساتھ ہاتھیوں کی ایک عظیم الشان فوج لے کر خفیہ خفیہ بڑھنا شروع کیا۔ اس یورش کے لئے حج کا موسم تجویز کیا۔ جب عربوں میں لڑائیوں کا سلسلہ منقطع یا ملتوی ہو جاتا تھا اور پھر ایام تشریق کہ جن میں تمام عرب ہتھیار الگ رکھ کر رسوم حج کی ادائیگی میں مصروف ہو جاتے۔ مزید برآں اس نے مانوس راستہ کو چھوڑ کر پہاڑیوں کے پیچھے پیچھے چور راستہ اختیار کیا تاکہ کسی کو اس حرکت دیورس کا علم ہی نہ ہونے پائے تاکہ وہ مکہ پر حملہ آور ہو جائے یہ تھے اس کے مکائد (خفیہ تدابیر) عرب اس کی آمد سے بے خبر تھے، لیکن اللہ تو بے خبر نہیں تھا، اس نے ایک ایسا سبب پیدا کر دیا جس سے یہ تمام راز طشت اندام ہو گیا۔ گدھ اور چلیں ہمیشہ لاشوں اور مرداروں کی تلاش میں رہتی ہیں، گذشتہ زمانہ میں جب کبھی کبھی لشکر ادھر ادھر حبش کرتے تو وہ اپنی فطری ذہانت سے بھانپ لیتیں کہ کہیں ان کی ضیافت کا سامان ہونے والا ہے۔ چنانچہ وہ ان کے ساتھ ساتھ ہولتیں۔ ابرہہ نے زمین پر تو تمام حفاظتی تدابیر اختیار کر لیں کہ اس کا راز آشکارا نہ ہونے پائے لیکن آسمان پر تو اسے کچھ اختیار حاصل نہیں تھا۔ عربوں نے دیکھا کہ گدھوں کے گدھ منڈلاتے چلے آ رہے ہیں، تو انہوں نے خبر رساں ایجنسیوں سے فوراً بھانپ لیا کہ ان کے سائے میں کوئی لشکر بڑھے آ رہا ہے۔ حج کے موقع پر اجتماع غفیر موجود تھا، سب ارد گرد کی پہاڑیوں پر چڑھ گئے۔ اب صورت یہ ہو گئی کہ نیچے وادیاں میں ابرہہ کا لشکر ہے اور پہاڑیوں پر عربوں کا ہجوم۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ اندنہ گذشتہ کے فنون حربیہ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ سنگ باری اس زمانہ کے کیسے موثر حربات میں سے تھی ہزار ہزار من کی چٹانیں اوپر سے لڑھکا دی جاتیں جو اپنے ہی اور MUMENTUM سے اس شدت

سے نیچے آتیں کہ جو ان کی زد میں آجاتا اس کا بھرکس نکل جاتا۔ اُن واحد میں ہاتھی اور ان کا لشکر بھٹس بن کر رہ گیا۔“ (معارف القرآن جلد چہارم ص ۳۶۱ و ص ۳۶۲)

اقبال مروجہ نے شاید انہی کے لئے فرمایا تھا کہ

وے تاویل شان در حیرت انداخت
خدا و جبریل و مصطفیٰ را

اس تحریف کا جواب مفضلہ علماء اسلام دے چکے ہیں۔ یہاں صرف معارف قرآنی کے طور پر کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ ادھر تو پرویز صاحب یہ کہتے ہیں کہ ابرہہ نے ایام حج میں بیت اللہ پر حملہ کیا کہ یہ نہیں ان کے نزدیک قابل احترام تھے اور وہ لڑنا حرام سمجھتے تھے۔ اور ادھر یہ بھی کہتے ہیں کہ پہاڑوں پر چڑھ گئے اور ہزار ہزار من کی چٹانیں لڑھکا دیں، دونوں باتوں میں تضاد ہے۔ علماء تاریخ اور سیرت کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے چالیس دن بعد سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، تو اس لحاظ سے محرم کے آخری ایام ہونے چاہیں۔ حج تو ذوالحجہ کی تیرہویں تاریخ تک ختم ہو جاتا ہے۔ اور عرب لوگ واپس جا چکے ہوں گے۔

فائدہ | اصحاب الفیل کے اس واقعہ کی تشریح سیرت اور تاریخ کی سب کتابوں میں موجود ہے حتیٰ کہ غیر مسلم مفکر بھی اس کے قائل ہیں۔ تفصیل انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

اس تفسیر بالرائے کے لئے تاریخی حقائق کو جس قدر مسخ کیا گیا اور احادیث کی مستند روایات کو کس طرح چھوڑا گیا۔ یہ مستقل تفصیل طلب بحث ہے، یہاں قرانیات کے طلباء کے لئے صرف اسی قدر عرض کیا جاتا ہے کہ :

۱۔ الم تر کا مخاطب جماعت قریش کو بنایا گیا تاکہ آگے آنے والے فعل ترمیم کا فاعل بھی جماعت قریش کو بنایا جائے۔ بتانا یہ ہے کہ ان حملہ آوروں کو پتہ مارنے والے وہ پرندے نہ تھے۔ بلکہ تم خود تھے۔ تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قریش ہی نے اُن کو پتہ مارے تو پھر ان کے لئے تعجب کی کیا بات تھی۔؟ وہ خود ہی تو کر رہے تھے اور دیکھ رہے تھے۔

۲۔ الم تر اور ترمی دونوں واحد مونث کے صیغے بنا دئے گئے۔ پرویز صاحب کا خیال ہے کہ جماعت کا کلمہ مونث ہے تاویلًا، تو فعل اسی لئے مونث لایا گیا۔ تو پھر رَبُّک کی صغیر خطاب کا کیا بنے گا اس لحاظ سے تو رَبُّک میں یہ صغیر بھی مونث کی لائی جاتی، جیسا کہ الم تر کو مونث مخاطب بنایا گیا۔ الم تر کا مخاطب مونث اور رَبُّک کا مخاطب مذکر، یہ کس قاعدہ نحوی اور بیانی کے تحت ہو۔

۳۔ اسی طرح سجیل کا کلمہ قرآن مجید میں تین مرتبہ آیا ہے۔ فرمایا :

الف۔ وامطرنا علیہا حجارة من سجیل (ہودؑ) اور برسائے ہم نے اس سبتی پر پتھر کنکر جیسے۔

ب۔ وامطرنا علیہم حجارة من سجیل۔ (الحجرؑ) اور برسایا ہم نے ان لوگوں پر سینہ کنکروں کا۔

ج۔ ترسیم سجیل من سجیل (الفیلؑ) مارتے تھے وہ پرندے ان کو پتھر کنکر جیسے۔

پہلی دو آیتوں میں قوم لوط پر آسمان سے پتھروں کا برسانا مراد ہے جہاں قوم لوط کی بستیاں آباد تھیں۔ وہاں کونسی رادی یا درہ تھا، یا کس نے ان کو ردک کر ادا پر سے پتھر برسائے تھے۔ پھر لفظ سجیل کا معنی۔ امام لغت قرآنی امام راعنب نے فرمایا والسجیل حجر و طین۔ یعنی پتھر اور کچڑ، امام راعنب نے فرمایا کہ بعض کے ہاں یہ لفظ فارسی سے عرب کیا گیا ہے، جیسا کہ امام تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا ترجمہ سنگ و گل فرمایا ہے۔ قرطین میں اس کا ترجمہ آجر پختہ اینٹ کے سنگریزے کیا گیا ہے، جمہور مفسرین کا یہی قول ہے۔ (ہدایک)

بلکہ تیسری صدی کے امام لغت القرآن (م ۲۷۶) نے فرمایا : ولصذا ذهب قوم فی تفسیر سجیل الی سنگ و گل ای حجر و طین۔ (بجواب ان العتب ج ۱۳، ص ۳۴۴) یہی تفسیر جلیل القدر مفسرین جیسا کہ امام ابن جریر طبری م ۳۳۰ امام قرطبی م ۵۵۰ امام رازی م ۶۰۶ نے فرمائی۔ اور اگر یہ علماء لغت اور تفاسیر کے اقوال نہ بھی ہوتے تب بھی قرآن مجید نے خود اس کی تفسیر دوسری جگہ سورہ الذاریات آیت ۳۲ میں فرمادی۔ ارشاد ہے :

قالوا انا ارسلنا الی قوم معجربین انہوں (فرشتوں) نے کہا ہم ایک مجرم قوم

لنرسل علیہم حجارة من طین۔ کی طرف بھیجیں گئے تاکہ ان پر مٹی ملے پتھر (کنکر) برسائیں۔

صاف معلوم ہوتا ہے کہ پتھر کسی پہاڑی کے نہ تھے بلکہ یہ تو سنگریزوں کی شکل کے تھے

اور وہ ان کے لئے عذاب کے طور پر واقع ہوئے۔ ان پتھروں کو دیکھا گیا، جو ابرہہ کی فوج پر

گرے تھے۔ علامہ زعشری بھی اس واقعہ کی صداقت کا قائل ہے اس نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ

”حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ام ہانی رضی اللہ عنہا کے پاس ایک بڑی ٹوکری ان

پتھروں کی دیکھی جو ابرہہ کی اس فوج پر گرائے گئے تھے۔ یہ پتھر عجم میں چنے سے چھوٹے اور سورت

★★

سے بڑے تھے۔ (کشاف)

دیرینہ، پیچیدہ، جسمانی، روحانی | جمال شفا خانہ ریسرچرڈ۔ نوشہرہ۔ ضلع لپٹاور
امراض کے خاص معالج